15

موجودہ نازک حالات میں ایک پرانی تحریر کے ذریعہ فتنہ پیدا کرنے کی کوشش

(فرمودہ 23مئی 1941ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"انسان کی عقل اور سمجھ کا امتحان ہمیشہ ایسے ہی موقع پر ہوتا ہے جبکہ اس کے جذبات اُبھرے ہوئے ہوں۔ جذبات کے اشتعال کے موقع پر جو شخص نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور وہ چیز جسے خدا نے اہم بنایا اسے اہم سمجھتا اور جسے خدا نے ادنیٰ بنایا اسے ادنیٰ قرار دیتا ہے، وہی دراصل عقلمند ہوتا ہے۔ یہ وقت دنیا کی تاریخ پر ایسا تاریک اور خطرناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا وقت نہیں آیا۔ قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص جرمنی کا مؤیّد ہے یا برطانیہ کا۔ اور جرمنی کی فتح چاہتا ہے یا برطانیہ کی۔ کوئی سلیم الفطرت اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ انسانی خون کی ارزانی جو آج ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ جرمن ہوں یا انگریز دونوں انسان ہیں اور تمام بنی نوع انسان ہماری ہمدردی کے مستحق ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی جرمنی کا ہم خیال ہو اور اس کی فتح چاہے اور کوئی برطانیہ کا ہم خیال ہو اور اس کی فتح کا خواہاں ہو۔ لیکن جو بھی سچا انسان ہے وہ خواہ کسی کی فتح کا خواہاں ہو اس خواہش کے ساتھ وہ یہ بھی چاہے گا کہ انسان کی اتنی قربانی نہ ہو جتنی آج ہو رہی ہے۔ ہمارے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نمونہ راہ نما ہے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق کا

ایک نمونہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے بیان فرمایا ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی ترقی میں طاعون کا بڑا حصہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے طاعون کے بڑے زور سے پھیلنے، دیر تک قائم رہنے اور اس سے لاکھوں جانوں کے تلف ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی اور رسول کریم ﷺ اور دیگر انبیاء سابق کے کلام میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ایک ایسا مرض پھوٹے گا۔ پس جب ملک میں طاعون پھوٹا اور سخت زور سے پُھوٹا تو دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوا اور ہزاروں لوگ جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ گویا طاعون کی شدت، اس کا دیر تک رہنا اور لاکھوں جانوں کی اس سے ہلاکت جماعت کی ترقی کا باعث ہوئی۔ پھر پیشگوئی کا پورا ہونا اپنی ذات میں خوشی کی بات ہے۔ مگر ایسے موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو نمونہ پیش کیا وہ عجیب اور مومنوں کے لئے اسوہ ہے۔ آپ نے مکان میں ایک جگہ بیت الدّعا بنایا ہوا تھا وہ اب بھی موجود ہے۔ چھوٹی سی جگہ ہے جہاں دو آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ آپ رات یا دن کے وقت جب بھی دعا کرتے بِالعموم یہیں کرتے تھے۔ جب یہ جگہ تعمیر ہونے لگی تو مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہی کمرہ اس کی چھت پر اَور بن جائے تو مَیں بھی وہاں حضور کے ساتھ دعا میں شریک ہو جایا کروں۔ چنانچہ آپ نے اس کے اوپر بھی کمرہ بنوا دیا اور مولوی صاحب بھی وہاں جا کر دعا کیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نیچے کے کمرہ سے رونے اور گریہ و زاری اور کراہنے کی آواز آ رہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی عورت دردِ زہ سے کراہ رہی ہے۔ مَیں نے کان لگا کر سننا شروع کیا کہ کیا بات ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام دعا کر رہے ہیں اور گریہ و زاری کرتے ہوئے آہستہ آہستہ عرض کر رہے ہیں کہ الٰہی اگر تیرے بندے اسی طرح طاعون سے مرتے گئے تو پھر ایمان کون لائے گا؟ کتنے احمدی ہیں جو کسی انذاری پیشگوئی کے پورا ہونے پر ایسا نمونہ دکھاتے ہیں۔ عام طور پر

ایسے موقع پر ایک ہی پہلو سامنے ہوتا ہے یعنی پیشگوئی پورا ہونے پر خوشی کا پہلو۔ مگر یہ طریق غلط ہے۔ یہ خوشی کا ہی موقع نہیں ہوتا بلکہ متضاد جذبات کا وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف تو خوشی ہوتی ہے کہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے اور دوسری طرف رنج کہ اللہ تعالیٰ کے بندے عذاب میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

پس ایسے وقت میں مومن کے دل میں متضاد جذبات پیدا ہونے چاہئیں۔ خوشی کے جذبات اس لئے کہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے اور رنج و الم کے جذبات اس لئے کہ ہمارے بھائی جو ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی طرح جنت بنائی تھی اور اپنے فضلوں کے دروازے کھولے تھے، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے فضل کے یہ دروازے بند کر کے اس کے غضب کی کھڑکیوں کو اپنے لئے کھول لیا۔ عذاب کے موقع پر وہی لوگ جن کے دل میں خشیت نہیں ہوتی ایک پہلو یعنی خوشی کا پہلو لیتے ہیں۔

پس انسان کو ہمیشہ دونوں پہلو مدنظر رکھنے چاہئیں لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ نہایت اہم باتوں کو نظر انداز کر کے چھوٹی چھوٹی باتوں میں پڑ جاتے ہیں اور انہیں یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ دنیا کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہی نہیں اور سیدھے ایک ہی طرف چلے جاتے ہیں۔ جس طرح سؤر سیدھا ہی چلتا جاتا ہے خواہ آگے سے کوئی نیزہ مار دے یا کوئی اور خطرہ ہو وہ رستہ بدلتا نہیں بلکہ سیدھا ہی چلتا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی رستہ نہیں بدلتے اور پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے فتنوں سے بڑی تباہیوں کے سامان پیدا کر لیتے ہیں۔ شیعہ سنّیوں کو دیکھ لو ان میں کیسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا ہے کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ نہیں کہ شیعہ حضرت علیؓ کو بزرگ سمجھتے ہیں اور سنّی نہیں سمجھتے۔ یہ نہیں کہ شیعہ ان کو امت اسلامیہ میں اعلیٰ مرتبہ کا سمجھتے ہیں اور سنّی نہیں سمجھتے۔ شیعہ بھی ان کو بزرگ سمجھتے ہیں اور سنّی بھی۔ شیعہ ان کو امام کہتے ہیں اور سنّی خلیفہ مانتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے خلیفہ بھی تو امام ہی ہوتا ہے۔ سنی بھی اہلِ بیت سے

محبت رکھتے ہیں اور شیعہ بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

؎ خاکم نثار کوچۂ آلِ محمد است

یعنی میری جان آلِ محمد کے کوچہ پر نثار ہے اور اس سے بڑھ کر محبت کیا ہو سکتی ہے؟ درحقیقت دونوں میں کوئی بڑا جھگڑا نہیں، کوئی خاص لڑائی نہیں مگر پھر بھی اختلاف کس قدر بڑھا لیا ہے۔ اسی سفر کے دوران کراچی کے ایک شیعہ رئیس سے ایک دوست کسی کام کے سلسلہ میں ملنے گئے۔ وہ مذہباً شیعہ ہیں مگر متعصب بالکل نہیں ہیں۔ اس وقت ایک شیعہ ایڈیٹر ان سے ملنے کے لئے باہر بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہمارے دوست سے کہا کہ میں نے اس شخص کو بہت سمجھایا ہے یہ روز شور مچاتا رہتا ہے کہ فلاں سنّی کو شیعہ نے سلام کیوں کہہ دیا اور ایسی ہی معمولی باتوں کے جھگڑے پیدا کرتا رہتا ہے۔ مَیں نے اسے کئی دفعہ کہا ہے کہ مَیں بھی شیعہ ہوں مگر مجھے ان باتوں پر کوئی غصہ نہیں آتا۔ باغ فدک1 پر تمہارا بڑا جھگڑا ہے مگر جن سنّیوں نے وہ لیا تھا وہ تو اب ہیں نہیں۔ موجودہ سنّی ان کی اولاد بھی نہیں ہیں۔ اس لئے اس واقعہ کی وجہ سے ان کے ساتھ دشمنی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ لیکن اگر بہرحال تم لوگوں نے جھگڑا جاری ہی رکھنا ہے تو باغ فدک کی قیمت ڈلوا لو اور وہ مجھ سے لے لو اور پھر اس جھگڑے کو ختم کر دو۔ تو درحقیقت یہ سب جھگڑا معمولی باتوں پر ہی ہے اور یونہی دست و گریباں ہو رہے ہیں۔ یہی حال احمدیوں اور غیر احمدیوں کا ہے۔ بے شک دونوں میں اختلاف ہے مگر ایسا نہیں جیسا ہندوؤں اور سکھوں سے ہے۔ ہندو اور سکھ تو رسول کریم ﷺ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم کو نہیں مانتے، احکامِ اسلام کو جھوٹا سمجھتے ہیں، اسلامی تمدن اور اس کے اقتصادی نظام کے خلاف ہیں مگر احمدیوں اور غیر احمدیوں میں ایسا اختلاف نہیں لیکن پھر بھی مسلمان مذہبی باتوں میں بھی ہمارے مقابلہ میں غیروں کا ساتھ دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی ایسے لوگوں کا ذکر ہے۔ مشرکین یہود کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے حالانکہ مسلمان حج بیت اللہ کے قائل اور حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد کی

بڑی عزت کرتے ہیں۔ یہودی کفار کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے حالانکہ مسلمان حضرت موسیٰ کو، حضرت داؤد کو سچا نبی مانتے ہیں اور بھی یہود کے بیسیوں نبیوں کو مانتے ہیں اور ان کا ادب و احترام کرتے ہیں ان کی کتابوں کو سچا مانتے ہیں۔

مذہبی احکام کی تفاصیل میں بھی بہت حد تک دونوں میں اتفاق ہے مگر پھر بھی یہود مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے مل جاتے تھے۔ یہی حال آج اکثر مسلمانوں کا ہے۔ اول تو ہم دوسری قوموں کے ساتھ جھگڑے سے بچتے ہیں۔ لیکن اگر ہندوؤں، سکھوں یا عیسائیوں وغیرہ سے کہیں کوئی جھگڑا ہو جائے تو مسلمان ہمارے خلاف فوراً ان سے مل جاتے ہیں۔ ایک پادری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نالش کی کہ آپ نے مجھے قتل کرانے کی سازش کی ہے۔ یہ دراصل اسلام اور عیسائیت کا جھگڑا تھا کوئی جائداد کا جھگڑا نہ تھا، کوئی تجارتی جھگڑا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اور پادریوں میں نہ تھا۔ پادری صرف اس وجہ سے آپ کے مخالف تھے کہ آپ عیسائیت کی مخالفت اور اسلام کی تائید کرتے ہیں مگر مسلمان آپ کے خلاف اس پادری کے ساتھ ہو گئے حتّٰی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تو آپ کے خلاف یہ گواہی دینے کے لئے آئے کہ یہ شخص ایسا ہی ہے اس نے ضرور ایسی بات کی ہو گی۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کے دل میں غیرت ہوتی۔ اس کے بالمقابل ایک مخلص مسلمان کا واقعہ ہے جب آتھم کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ٹل گئی تو مخالف ہنسی ٹھٹھا کرتے تھے۔ ایک دن نواب صاحب بہاول پور کے دربار میں جو موجودہ نواب صاحب کے دادا تھے یہی تذکرہ ہونے لگا اور امراء و درباریوں نے تمسخر و استہزاء شروع کیا۔ اس وقت پیر غلام فرید صاحب چاچڑاں والے بھی جو بڑے بزرگ اور نیک انسان تھے موجود تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صداقت کھول دی تھی اور وہ آپ پر ایمان لے آئے تھے، لوگ بیٹھے ہنسی مذاق کرتے رہے اور پیر صاحب چپ چاپ بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد نواب صاحب نے بھی اس استہزاء میں

حصہ لینا شروع کیا جب تک تو درباری ایسی باتیں کرتے رہے پیر صاحب چُپ رہے مگر جب نواب صاحب نے حصہ لیا تو آپ جلال میں آ گئے۔ آپ نواب صاحب کے پیر تھے اس لئے نواب صاحب ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں تو حیران ہوں کہ تم لوگ کس بات پر ہنستے ہو؟ کیا اس پر کہ اسلام ہار گیا اور عیسائیت جیت گئی؟ تم لوگوں کو غیرت سے کام لینا چاہئے۔ مرزا صاحب نے آتھم سے مقابلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کو قائم کرنے کے لئے کیا تھا یا اپنی عزت کے لئے؟ پھر آپ نے بڑے جلال میں آ کر فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ آتھم زندہ ہے مجھے تو اس کی لاش سامنے پڑی دکھائی دیتی ہے۔2 آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ماتحت وہ مر بھی گیا۔ پیر صاحب مرحوم نے ان لوگوں کو یہ سبق دیا کہ جب غیرت کا سوال ہو تو انسان کو چھوٹی چھوٹی دشمنیوں کو بُھلا دینا چاہئے اور اس سے بھی بڑھ کر جب کوئی ملکی سوال درپیش ہو تو ہندوستان اور سکھ عیسائی کا سوال بھی پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ وقت ہندوستان کے لئے بہت نازک ہے بدقسمتی یا خوش قسمتی سے سب ملک ہندوستان کو سونے کی چڑیا سمجھتے ہیں۔ ہمیں تو یہاں وہ سونا نظر نہیں آتا لیکن دوسرے ملک یہ سمجھتے ہیں کہ جو دولت یہاں ہے وہ کہیں اَور نہیں اس لئے مختلف قومیں چاہتی ہیں کہ اس پر قبضہ کر لیں۔ جاپان، روس، اٹلی اور جرمنی ہر ایک چاہتا ہے کہ یہ ملک اس کے قبضہ میں آ جائے اور اس کے وسیع ذرائع اسے مل جائیں اور قدرتی طور پر جنگ کے موقع پر ان کی نظریں اور بھی زیادہ حرص اور لالچ کی وجہ سے اس ملک پر لگی ہوئی ہیں۔ ایسے وقت میں ہندوستانیوں کے لئے بہت بڑے خطرہ کا مقام ہے اور انہیں سوچنا چاہئے کہ اپنی، اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی عزت کو بچانے کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے نازک وقت میں سب مل کر ملک کی حفاظت کی تدابیر کرتے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ کئی لوگ ایسے ہیں جو جائز و ناجائز باتوں سے خواہ مخواہ مختلف اقوام میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً آجکل ہی ایک فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے۔

ایک سکھ اخبار نے بارہ سال کی ایک پرانی تحریر اس رنگ میں شائع کی کہ گویا یہ کوئی مخفی سرکلر ہے جو نظارت اعلیٰ کی طرف سے جماعتوں کو بھیجا گیا ہے اور اب دوسرے اخبار بھی اسے اس رنگ میں شائع کر رہے ہیں کہ گویا جماعت احمدیہ کو سکھوں کے خلاف مسلّح کیا جا رہا ہے حالانکہ یہ بات ہی حماقت ہے۔ دینی نقطۂ نگاہ کو جانے دو کیونکہ سکھ تو یہ نہیں مانتے کہ ایک مومن سو پر غالب آ سکتا ہے وہ تو صرف ظاہری حالات کو ہی دیکھتے ہیں اور وہ شور بھی اسی لئے مچا رہے ہیں کہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف دنیوی تیاری کی جا رہی ہے لیکن وہ سوچیں تو سہی کہ تیس لاکھ قوم کا چند ہزار آدمی مقابلہ کر کیسے سکتے ہیں؟ اور تیس لاکھ بھی ایسے جو مال و دولت کے لحاظ سے، زمین کی ملکیت کے لحاظ سے اور طاقت کے لحاظ سے ان چند ہزار سے ہزاروں گُنا زیادہ ہیں۔ کیا کوئی عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ چند ہزار کی چھوٹی سی جماعت دنیوی سامانوں کے ساتھ ایسی تیس لاکھ قوم سے لڑ سکتی ہے جس کے پاس کئی ریاستیں ہیں اور دولت ہے۔ روحانی نقطہ نگاہ علیحدہ ہے اسے تو جانے دو۔ بے شک روحانی لحاظ سے تو ایک آدمی ساری دنیا سے بھی لڑ سکتا ہے مگر یہاں تو دنیوی سامانوں سے جنگ کا سوال ہے۔ جب روحانیت کے ساتھ مقابلہ کا سوال ہو اس وقت اخبار کیا کر سکتے ہیں؟ ایسے وقت میں تو حکومتیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔ چہ جائیکہ اخباری پروپیگنڈا سے کچھ ہو سکے۔ مگر یہاں تو دنیوی لحاظ سے لڑائی کا سوال ہے اور کوئی عقلمند یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ دُنیوی لحاظ سے احمدیہ جماعت سکھوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ سکھوں کی آبادی تیس لاکھ ہے۔ ان کی پنجاب میں چھ سات ریاستیں بھی ہیں، ہماری نسبت لاکھوں گُنا زیادہ دولت ان کے پاس ہے اور زمینیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ اور ان حالات میں سکھوں کا یہ شور مچانا کہ گویا احمدی ان پر حملہ کرنے والے ہیں ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی بڑا پہلوان ایک نوزائیدہ بچہ کے متعلق کہے کہ یہ مجھے قتل کر دے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسے پہلوان کو ہر شخص پاگل کہے گا۔ اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ جماعت احمدیہ سکھوں پر حملہ کرنے والی ہے وہ بھی عقلمند نہیں کہلا سکتی۔

یہ تحریر اپنی ذات میں بھی ایسی نہ تھی کہ اس کی بناء پر سکھ اس قدر شور مچاتے۔ ان کو یہ تو سمجھنا چاہئے تھا کہ کیا یہ بات ممکن بھی ہے۔ یہ تو شرارت ہے جو ان کو بے وقوف بنانے کے لئے کی گئی ہے۔ گزشتہ مردم شماری کی رُو سے پنجاب میں ہماری تعداد صرف56 ہزار تھی اور سکھ قریباً تیس لاکھ تھے۔ پھر ہمارے پاس تو دس گاؤں کی بھی کوئی ریاست نہیں اور ان کی کئی بڑی بڑی ریاستیں ہیں۔ پٹیالہ، نابھ، جیند، کپورتھلہ ، فرید کوٹ اور بعض اَور بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ ان ریاستوں کے پاس فوجیں، توپ خانے اور ہوائی جہاز بھی ہیں۔ پھر اس ملک میں انگریزوں کی حکومت ہے اور ان کے پاس بھی بہت کچھ سامانِ جنگ اور طاقت ہے۔ بہت سے سکھ فوج میں ملازم ہیں۔ اندرونی تنظیم ان کی مکمل ہے اور وہ دو کروڑ مسلمانوں کو آئے دن دھمکاتے رہتے ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ 56ہزار احمدی ان پر حملہ کریں۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ اگر کوئی ان سے کہتا تو ان کو اسے یہ کہنا چاہئے تھا کہ ہم ایسے بے وقوف نہیں کہ ایسی باتوں کو درست سمجھ سکیں۔ ان کو تو ایسے شخص سے لڑنا چاہئے تھا کہ تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو اور ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ یہ تو عبد الرحمان مصری کی کارستانی ہے کہ اس نے ایک ایسی تحریر کو لے کر جس کی کوئی حیثیت نہیں خواہ مخواہ لوگوں کو ورغلایا اور شور مچایا لیکن سکھوں کو اس پر اعتبار نہ کرنا چاہئے تھا اور سمجھنا چاہئے تھا کہ یہ شخص ان کا نادان دوست ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ 56 ہزار احمدی تیس لاکھ ایسی قوم پر جس کے پاس کئی ریاستیں، مال و دولت اور سامان ہے حملہ کر سکتی ہے تو سکھوں کے لئے تو واقعی بہت خطرہ کا مقام ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ بعض مسلم اخبار سکھوں سے بھی زیادہ شور مچا رہے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہئے تھا کہ یہ تو بارہ سال کی پرانی تحریر ہے اس بارہ سال کے عرصہ میں احمدیوں نے کتنی چڑھائیاں سکھوں پر کی ہیں۔ اگر ہمارا یہ ارادہ ہوتا تو 1928ء سے لے کر آج تک اس کے کوئی آثار تو ظاہر ہوتے اور اب تک کئی چڑھائیاں سکھوں پر ہو چکی ہوتیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آج سکھوں کے ساتھ

ہمارے تعلقات اس زمانہ سے بہت اچھے ہیں۔اس میں ایک اور قابلِ غور بات یہ ہے جسے ہمارے اخباروں نے بھی پیش نہیں کیا کہ اگر کوئی ایسا سرکلر بھیجا جاتا تو وہ ناظر امور عامہ کی طرف سے ہونا چاہئے تھا۔نہ کہ ناظر اعلیٰ کی طرف سے۔ہمارے نظام کے لحاظ سے اس کا تعلق ناظر امور عامہ سے ہے ناظر اعلیٰ سے نہیں۔یہ امر بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کوئی سرکلر ہے ہی نہیں۔ناظر اعلیٰ تو آئینی لحاظ سے ایسا سرکلر بھیجنے کا مجاز ہی نہیں۔ناظر اعلیٰ کی طرف سے ایسے سرکلر کا بھیجا جانا تو ہمارے کانسٹی ٹیوشن کے ہی خلاف ہے۔اگر ایسا سرکلر بھیجا جاتا تو ناظر امور عامہ کی طرف سے بھیجا جاتا۔پس یہ بات سرے سے بناوٹی ہے۔حقیقت صرف اتنی ہے کہ جس زمانہ میں سکھوں نے ہمارا مذبح گرایا تو مختلف اشخاص نے ایسی تجاویز لکھیں کہ ایسے واقعات کے انسداد کے لئے کیا کرنا چاہئے اور ایک افسر نے اپنی ذاتی حیثیت میں وہ تجاویز نوٹ کیں جو اخبار میں شائع کی گئی ہیں لیکن نہ وہ کبھی انجمن میں پیش ہوئیں اور نہ اس نے انہیں منظور کیا۔یہ ایک فرد کے خیالات تھے اور ایک فرد کے خیالات کی ذمہ داری ساری قوم پر کس طرح عائد ہو سکتی ہے؟ کیا سکھ اس اصول کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں کہ اگر کوئی سکھ کوئی بات کہے یا کسی کو دھمکی دے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ دھمکی ساری قوم کی طرف سے ہے۔یہ بھی ایک شخص کے خیالات ہیں جنہیں قوم نے کبھی منظور نہیں کیا۔

قوم کی ذمہ داری اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ انجمن ان باتوں کو منظور کرتی یا خلیفۂ وقت منظور کرتا۔پس ایسے وقت میں جبکہ ملک کو اس بات کی ضرورت ہے کہ سب قومیں مل کر حفاظت کی تدابیر اختیار کریں۔ایسی بے بنیاد باتوں کی بناء پر شور مچانا اور فتنہ پیدا کرنا عقلمندی نہیں۔اور عجیب بات یہ ہے کہ سکھ تو ایک دفعہ بیان کر کے چپ ہو گئے ہیں مگر بعض مسلمان اخبار برابر شور مچاتے جا رہے ہیں اور ان کی مثال ویسی ہی ہو رہی ہے کہ "ماں سے زیادہ چاہے کٹنی کہلائے" وہ سکھوں سے بھی زیادہ ان کے ہمدرد بنے ہوئے ہیں۔مصری کو مرتد ہوئے بھی چار سال ہو چکے ہیں

اور یہ کاغذ اب اخبارات میں شائع کیاجا رہا ہے۔پہلے تو اس کے ایجنٹ علاقہ کے سکھوں کو یہ کاغذ دکھاتے رہے مگر وہ چونکہ حالات سے واقف تھے اور اپنے ساتھ ہمارے عمل کو دیکھ رہے تھے اس لئے ان پر تو اس کا کوئی اثر ہوُا نہیں ۔وہ جانتے تھے کہ یہ محض ایک فرد کی تجاویز ہیں جنہیں جماعت نے قبول نہیں کیا اور جن پر کبھی عمل نہیں ہوا اور یہ تجاویز بھی ایک اشتعال کے وقت کی ہیں۔ایسے اشتعال کے وقت کی کہ اگر کبھی سکھوں پر ایسا وقت آئے تو وہ اس سے لاکھوں گُنا زیادہ سخت تجاویز کریں یا سکھوں کے کسی مقدس مقام پر جا کر کوئی عمارت گرا دی جائے تو ہزاروں سکھ ایسے ہی خیالات کا اظہار نہ کریں گے؟ اگر کریں گے اور ضرور کریں گے تو یہ تو احمدیوں کی شرافت ہے کہ ان میں سے صرف ایک شخص کے ذہن میں ایسی تجاویز آئیں، صرف ایک سے اشتعال ظاہر ہوُا اور باقی ساری قوم نے اس اشتعال کو دبا لیا اور اس شخص کی تحریک کو قوم نے قبول نہ کیا۔سکھوں کو تو اس پر خوش ہونا چاہئے تھا کہ ایسے جوش کے خیالات کو قوم نے قبول نہیں کیا۔مگر عجیب بات ہے کہ وہ بجائے ممنون ہونے کے الٹا شور مچا رہے ہیں۔میرے نزدیک تو حکومت کے لئے بھی یہ شکریہ کا موقع تھا۔یقیناً اس کی کوئی اور مثال نہیں مل سکتی کہ کسی قوم نے ایسے اشتعال کے موقع پر ایسے تحمل اور صبر کا نمونہ دکھایا ہو۔ صرف ایک احمدی جماعت ہی ہے جس نے ایسے شدید اشتعال کے موقع پر ایسے صبر کا نمونہ دکھایا ہے۔مگر افسوس ہے کہ اس پر اس کی تعریف کرنے کی بجائے الٹا شور مچایا جا رہا ہے۔

آج ہر عقلمند تسلیم کرتا ہے کہ یہ بہت نازک موقع ہے اور جو لوگ آج ایک بارہ سال کی پرانی بات کو لے کر خواہ مخواہ فتنہ انگیزی کرتے ہیں ان کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ موقع کی نزاکت کو نہیں سمجھتے۔چاہئے تو یہ تھا کہ اگر کوئی اتنی پرانی بات واقع میں بھی ہوتی تو بھی اسے نظر انداز کر دیتے اور کہہ دیتے کہ یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں پھر دیکھا جائے گا۔مگر یہاں تو کوئی بات بھی نہیں اور

خواہ مخواہ کا فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان لوگوں کو ملک سے کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی مصیبت کا انہیں کوئی احساس نہیں۔ حضرت سلیمان کا واقعہ ہے کہ ان کے زمانہ میں ایک شخص کی دو بیویاں تھیں اور دونوں کا ایک ایک لڑکا تھا۔ وہ شخص باہر گیا ہوا تھا اور کئی سال باہر رہا تھا اس کی بیویاں کہیں سفر سے واپس آ رہی تھیں کہ رستہ میں ایک کے لڑکے کو بھیڑیئے نے کھا لیا۔ اس نے خیال کیا کہ میرا خاوند آئے گا تو دوسری بیوی کی گود میں چونکہ لڑکا ہے اس سے زیادہ محبت کرے گا اور میری قدر نہیں کرے گا۔ پھر اس نے سوچا کہ خاوند تو جب گیا تھا بچے چھوٹے ہی تھے اور وہ تو ان کی شکل سے بھی واقف نہیں۔ کیوں نہ مَیں دوسری کا لڑکا اٹھا لوں کہ یہ میرا ہے اور جسے بھیڑیئے نے کھایا وہ دوسری کا تھا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور دوسری عورت کے بچہ کو اٹھا کر کہا کہ یہ میرا ہے۔ دونوں میں اس پر جھگڑا ہوا اور مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گیا۔ انہوں نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منتقل کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بہت کوشش کی مگر اصل بات معلوم نہ کر سکے اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا چھری لاؤ۔ مَیں لڑکے کو آدھا آدھا کر کے دونوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اب اصل ماں کی تو مامتا تھی دوسری کو کیا درد تھا؟ وہ کہنے لگی کہ یہ بہت اچھا انصاف ہے اسی طرح کر دیں۔ اس نے سوچا کہ جب دونوں کا ہی بچہ نہ رہے گا تو دونوں کی حیثیت ایک سی ہو گی مگر حقیقی ماں نے جب یہ فیصلہ سنا تو کہنے لگی کہ یہ بچہ دوسری کا ہے اسے ہی دے دیں اور ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں۔[3] تو جہاں خیر خواہی ہوتی ہے وہاں انسان جائز جذبات کو بھی دبا دیتا ہے۔ ان لوگوں کے دل میں اگر ملک کی خیر خواہی ہوتی تو ان کو چاہئے تھا کہ کہتے ان باتوں کو ابھی رہنے دیں اس وقت ملک پر مصیبت ہے یہ باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں نے ایک بے بنیاد بات کو لے کر ایسے نازک وقت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں پر افسوس ہے کہ جو اس دھوکا میں آ گئے۔ یہ بات نہ

سکھوں نے سوچی اور نہ مسلمانوں نے کہ یہ ممکن بھی ہے کہ احمدی سکھوں پر حملہ کر سکیں۔ ہندوستان میں انگریزوں کی اتنی بڑی طاقت کی موجودگی میں ۵۶ ہزار احمدی تیس لاکھ سکھوں پر حملہ کر کیسے سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کسی نے بھی اس فریب کو نہ سمجھا۔ مسلمانوں پر زیادہ افسوس اس لئے ہے کہ یہ اسلامی شعار کا سوال تھا۔ سکھوں نے پہلے تو یہ دھمکیاں دیں کہ ہم یہاں مذبح بننے نہ دیں گے اور اگر بنا تو گرا دیں گے اور اس طرح ساری قوم میں یہ احساس پیدا کیا کہ ہم مذبح گرا سکتے ہیں۔ مگر مسلمان محض ہماری مخالفت کی وجہ سے سکھوں کی تائید کر رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے ساتھ دشمنی کرنے کے جوش میں وہ اپنے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور ان پر وہی مثال صادق آتی ہے کہ پرائی بدشگونی میں اپنی ناک کٹوانا اور اس طرح یہ مسلمان اخبار پنجاب میں مسلمانوں کے لئے کانٹے بو رہے ہیں اور مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی باتوں سے ملک کو بھی نقصان پہنچے گا۔ یہ ایسا وقت ہے کہ اپنے جذبات کو دبانا چاہئے اور تمام طاقت ملک کی حفاظت کی تدابیر پر صَرف کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں کرنی چاہئیں کہ زمین و آسمان ہل جائیں۔ اگر دوسرے لوگ اپنے فرض سے غافل ہیں تو کم سے کم ہماری جماعت کو چاہئے کہ ایسی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں لگی رہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یتیم کے دل سے نکلی ہوئی دعا عرشِ الٰہی کو ہلا دیتی ہے اور ہم سے زیادہ یتیم آج کون ہے جن کے پیچھے ساری دنیا پڑی ہوئی ہے۔ ہم بھی اگر دعا کریں تو ضرور عرش الٰہی ہلے گا مگر شرط یہی ہے کہ دعا دل سے نکلی ہوئی ہو اور ہم دعا کرنا جانتے ہوں۔ اناڑی کی طرح نہ ہو کیونکہ اناڑی جب ہتھیار لے کر کھڑا ہو تو دوسرے کو مارنے کے بجائے اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے۔ پس دعا بھی ایک فن ہے جو ہمیں سیکھنا چاہئے اور اس کے مطابق دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات ہیں اور انسان کی ضرورت جس صفت سے متعلق ہو اسی کا نام لے کر دعا کرنی چاہئے۔ جو شخص اس طرح دعا مانگتا ہے

اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے مگر بعض لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے۔ وہ بعض دفعہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ میرے دشمن کا بیڑا غرق کر دے یا اے شَدِیْدُ الْعِقَاب! مجھے بیٹا عطا کر۔

یہ دعا کا غلط طریق ہے۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو صحیح طور پر سمجھیں اور پھر دعائیں کریں اور اخلاص سے دعائیں کریں۔ جنگ بالکل ہندوستان کے قریب پہنچ گئی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور مومن کے لئے بہتری کی صورت پیدا کرے گا بشرطیکہ وہ اس کے آستانہ پر گرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔" (الفضل یکم جون 1941ء)

---

1 **باغ فدک:** باغ فدک یہودیوں سے زرِ صلح کے طور پر مسلمانوں کو ملا تھا۔ رسول کریم ﷺ اپنی زندگی میں اس کی آمدنی سے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے اور جو بچ رہتا اس سے بنو ہاشم کے غرباء کی مدد فرماتے۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں حضرت فاطمہؓ نے بطور ورثہ انہیں دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا اور اسے وقف قرار دیا۔ (اردو انسائیکلو پیڈیا)

2 الحکم 21/28 جون 1943ء و تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 340

3 ا۔سلاطین باب 3 آیات 16 تا 28، بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ و وھبنا لداؤد سلیمان۔ نعم العبد انہ اوّاب۔